سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا

تضمین

قصیدہ جناب مولٰینا المحدث المفسر ہادی الانام سراج الاسلام مولانا الاجل عالم اہل سنت اعلیحضرت

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہٗ

و نام تاریخی

معراج حضور

۱۳۲۸ھ

تصنیف لطیف

افتخار شعرا ے زمن جناب مولوی محمد حسن صاحب آثر قادری برکاتی نوری بدایونی

حسب فرمایش

جناب حکیم واصف حسین شاہ صاحب قادری اکبرآبادی

باہتمام منشی محمد صبغۃ اللہ برق

در مطبع نامی واقع کانپور طبع گردید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کہیں مبارک کہیں سلامت — کہیں مسرت کے غلغلے تھے
[illegible] فنا کی بجا کے نوبت — ملک سلامی اُتارتے تھے
صلوٰۃ کے گیت نعت کی گت — ثنا کے باجے بجا رہے تھے
وہ سرورِ کشورِ رسالت — جو عرش پر جلوہ گر ہوے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں، عرب کے مہمان کے لیے تھے

مبارک اے باغبان مبارک — خدا کرے جاوداں مبارک
زمین سے تا آسمان مبارک — یہاں مبارک وہاں مبارک
بہارِ گل کا سماں مبارک — عنادلِ نغمہ خواں مبارک
بہار ہے شادیاں مبارک — چمن کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لے میں، یہ گھر عنادل کا بولتے تھے

کہیں فرشتوں کی انجمن میں — مبارکی گا رہی تھیں حوریں
دکھا رہی تھیں نرالی شانیں — اُس ایک نوشہ کی دو براتیں
کہیں وہ نور اور وہ ضیائیں — جہاں فرشتے بچھائیں آنکھیں
وہاں فلک پہ یہاں زمیں میں — رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے، اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

کچھ ایسی اس شب میں تھی تجلی — کہ جا بجا نور کی جھلک تھی
ضیائے ماہِ عرب جو چمکی — تو روشنی دور دور پھیلی
وہ ہر جگہ عالمِ صفائی — ہوئی تھی عالم کی شیشہ بندی
یہ چھوٹ پڑتی تھی اُنکے رُخ کی — کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی، جگہ جگہ نصب آئینے تھے

تجلیوں کا وہ رخ پہ سہرا | بدن میں وہ نور کا شہانا | سجا سجایا بنا بنایا | خدا کے گھر میں وہ شاہ آیا
نظر سے گذرا عجب تماشا | کہ رنگ پایا یہاں نرالا | نئی دلھن کی پھبن میں کعبہ | نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

دلھن پہ یہ شوق کے تقاضے | کہ چل کے نوشاہ کے قدم لے | مگر لحاظ و ادب نے بڑھ کے | وہ ولولے دل کے دل میں دابے
تھا کی حسرتوں میں آنکھ کھولے | چھپائے گھونگٹ میں منہ ادا سے | نظر میں دولھا کے پیارے جلوے | حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منہ پہ آنچل تجلی ذات بحت سے تھے

خدا نے داغ الم مٹائے | بہار شادی کے دن دکھائے | نسیم عشرت نے گل کھلائے | طرب کی خوشبو سے دل بسائے
چمن مسرت کے لہلہائے | عنادل شوق چہچہائے | خوشی کے بادل امنڈ کے آئے | دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا، حرم کو خود وجد کے مزے تھے

حرم کا وہ حسن اور زیور | وہ نعت شایان شاہ سرور | وہ حالت وجد بام و در پر | کہ جھومتا تھا فرح میں سب گھر
وہ عالم کیف تھا سراسر | کہ ہوش سے سب کے تھے باہر | یہ جھوما میزاب زر کا جھومر | کہ آ رہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو جھڑ کے گوہر حطیم کی گود میں بھرے تھے

بہار جنت سے گند جھکے آئے | دلھن کی خاطر وہ ہار گجرے | کہ جنکی مستی قرا مہک نے | اڑا دیے تھے دماغ سب کے
دکھائے خود رفتگی نے جلوے | سرور آئے نئے نرالے | دلھن کے خوشبو سے مست کپڑے | نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلاف مشکیں جو اڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

چمکتے تاروں کا عکس زیبا | ہوا کچھ اس طرح زینت افزا | لگا دیا جا بجا ستارا | کہیں رو پہلا کہیں سنہرا
ستاروں پر جو لگا تھا سبزا | وہ سبز مخمل کا حاشیہ تھا | نہا کے نہروں نے وہ چمکتا | لباس آب رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حباب تاباں کے تھل لگے تھے

وفور سبزہ سے لہلہاتیں | اگر کے جوبن کی دھج دکھاتیں | گلوں کی سبزی میں وہ ایمان تقتیں | کہ سبز پوشاک عطر آگیں
وہ طرز شائستہ خوش آئیں | وہ نیچا دامن وسیع و رنگیں | پہاڑیوں کا وہ حسن تزئیں | وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں
صبا سے سبزے میں لہریں آتیں، دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے

تجلی نور حق کا جلوا | رچا ہوا تھا یہاں سراپا | چمک سے پر نور گوشہ گوشہ | بنا تھا خورشید ذرہ ذرہ
بساط تھی ماہتاب کی کیا | جو بزم عالی میں بار پاتا | پرانا پر داغ ململجا تھا | اٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجوم تار نگہ سے کوسوں، قدم قدم فرش بادلے تھے

کہاں سے اے دل نصیب لاؤں | جو تجھکو وہ بارگہ دکھاؤں | فراق میں پھر نہ تنگ آؤں | نہ جوش وحشت میں خاک اڑاؤں
کثافت رنج و غم چھپاؤں | کدورتیں سب کی سب مٹاؤں | غبار بن کر نثار جاؤں | کہاں اب اس رہگذر کو پاؤں
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں، فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے

نہ اب نظر میں وہ جان عالم | نہ قدسیوں کی وہ بزم اعظم | نہ وہ طلب کے پیام پیہم | نہ وہ تقاضائے وصل ہر دم
رہیں گے کیونکر رہے غم ہم | کہ اب کہاں وہ بہار خرم | خدا ہی دے صبر جان پر غم | دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب انکو جھرمٹ میں لیکے قدسی، جناں کا دولھا بنا رہے تھے

در کرم تھا بڑے غنی کا | وہاں کی بخشش کا پوچھنا کیا | ہر ایک نور و ضیا کا منگتا | انھیں کے گھر کا پلا بڑھا تھا
لیے ہوئے ایک یک کاسا | وہ شئی للہ کا شور و غوغا | اتار کر انکے رخ کا صدقا | وہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر، جبیں کی خیرات مانگتے تھے

وہ بحر فیض آج تک رہا ہے | اسی سے عالم چمک رہا ہے | اسی سے گلشن لہک رہا ہے | اسی کا طوطی چہک رہا ہے
فلک جو ایسا دمک رہا ہے | اسی چمک سے جھلک رہا ہے | وہی تو اب تک چھلک رہا ہے | وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی، کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے

وہی ضیا یہاں ہیں پرتو فگن وہی تجلی ہے شمع مسکن اسی سے ہیں مہر و ماہ روشن اسی سے غنچوں کے ہے جو بن
وہ آب نورِ ضیا کا مخزن یہ لے گئے بھر کے جیب و دامن بچا جو تلووں کا اُنکے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن

جنھوں نے دولھا کی پائی اُترن، وہ پھول گلزارِ نور کے تھے

بسی تھی ساری سیاہ بختی چمک اٹھی شتری فلک کی بجی تھیں دھومیں پئے تختِ شاہی کہ ابھی ساعت ہے آنیوالی
گئی دکھا دو برجِ خاکی ہوا ہے عزمِ فضائے نوری خبر یہ تحویلِ مہر کی تھی کہ رُت سہانی گھڑی پھرے گی

وہاں کی پوشاک زیبِ تن کی، یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے

بنے کچھ ایسا وہ بن سنور کر کہ بارک اللہ شانِ اکبر جلوس کے واسطے مقرر کیا گیا قدسیوں کا لشکر
شہانہ تھا زیبِ جسمِ انور کہ نور پر نور تھا سراسر تجلیِ حق کا سہرہ سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور

دو رویہ قدسی پرے جما کر، کھڑے سلامی کے واسطے تھے

دکھائی دیتے یہ دل کی الجھن بشکلِ سنبل بطرزِ احسن سُنا ہی لیتے برنگِ سوسن زبانِ حال بوئے شیون
رسائی ہوتی نہ تا بدامن تو یوں ہی ہوتا نصیب روشن جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اُترن

مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

چمک چمک عنصروں کی جو کمک دمک دمک ہر مکان ہر یک قدم نہ در سے ہوا تھا منفک کہ بولی نوبت سی حق صلّی
جلوس پہنچا بقربِ مسلک کہ گونجا کرکا رفعت ذکرک ابھی نہ آئے تھے پشتِ زیں تک کہ سر ہوئی مغفرت کی شلّک

صدا شفاعت نے دی مبارک، گناہ مستانہ جھومتے تھے

نقاب کا چہرے سے سرکنا تجلیِ نورِ حق جھلکنا وہ چشمِ حور و ملک جھپکنا نگاہ بھر کر بھی تک نہ سکنا
وہ روئے پُر نور کا چمکنا وہ آتشِ شوق کا بھڑکنا عجب تھا رخش کا چمکنا غزالِ دم خوردہ سا بھڑکنا

شعاعیں بکے اڑا رہی تھیں تڑپتے آنکھوں پہ صاعقے تھے

فرشتوں کو حکم تھا کہ جاؤ یہ بھیڑ چھانٹو پرے جماؤ مگر کسی کا نہ جی دکھاؤ مرادمندوں کو یہ سناؤ
جو منہ سے مانگو ابھی وہ پاؤ تم آپ سہرے رگبند آؤ ہجوم امید ہے گھٹاؤ مرادیں دیکر انھیں ہٹاؤ

ادب کی باگیں لیے بڑھاؤ، ملائکہ میں یہ غلغلے تھے

ہوا جو خورشید جلوہ گستر تو اُٹھ کے چمکائے ماہ و اختر بڑھا لیا آسمان نے سر پر نہ ہو سکا خاکِ پا کے ہمسر
یہ تاب یہ ضو وہ پائے کیونکر کہ ہے وہ ذرہ یہ مہرِ انور اٹھی جو گردِ رہِ منور وہ نور برسا کہ راستہ بھر

گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل، اُمنڈ کے جنگل اُبل رہے تھے

چمکتی قسمت نصیب ہوتی نہ رہتی تقدیر کی سیاہی مگر یہ گردش کے دن تھے باقی اگرچہ جال سوجھی نہ بات سجھی
اگر نہ کرتا طلب میں سستی عجیب اکسیر ہاتھ آتی ستم کیا کیسی مت کٹی تھی قمر وہ خاک انکی رہگذر کی

اُٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب دیکھتا مٹے تھے

بہارِ عالم میں پھول جھڑتے ہزاروں لاکھوں طرح طرح کے مگر کہاں سے یہ بات پاتے نہ ایسے نگین نہ ایسے پیارے
جہاں کے گلشن گئے کیا ہیں تختے جناں کے گلزار کے بھی بوٹے برابر انکے نقشِ پا کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے

مہکتے گلبن لہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

پرانے رقبے میں اپنے نماز ہوئے جو وہ شہسوار نادر وہاں انھیں مقتدا کی خاطر کھڑے تھے سب انبیا میں کار
یہ رمز پائی نہ عقلِ قاصر ہوا یہ نکتہ اسی سے ظاہر نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنی اول آخر

کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر، جو سلطنت آگے کر گئے تھے

بچھا ایسا عرشِ بریں سجا تھا کہ نور کا فرش جا بجا تھا امیں یہ رضوان کا خستہ تھا جناں کی چیزیں سنوارتا تھا
وہ صاف شفاف کر دیا تھا کہ سارا سامان نیا بنا تھا یہ اُن کی آمد کا دبدبہ تھا نکھار ہر شے کا ہو رہا تھا

نجوم و افلاک جام و مینا، اُجالتے تھے کھنگالتے تھے

وہ گرم حسنِ حبیبِ داور کہ سرد ہو جس سے مہرِ محشر تو پھر کہاں تابِ ماہ و اختر کہ جھکیں پیشِ رخِ منور
کمال پر تھا جمالِ سرور عیاں تھی شانِ جمیلِ اکبر نقاب اُلٹے وہ مہرِ انور جلالِ رخسار گرمیوں پر
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی تپکتے انجم کے آبلے تھے

وہ عالمِ نور سربسر تھا یہاں وہاں تھا اِدھر اُدھر تھا نہ منزلوں تک وہاں قمر تھا نہ تابشِ مہر کا گذر تھا
فقط وہی چاند جلوہ گر تھا وہی یمِ نور جوش پر تھا یہ جوششِ نور کا اثر تھا کہ آبِ گوہر کمر کمر تھا
صفائے رہ سے پھسل پھسل کر ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے

بڑھے جو آگے کو اور حضرت تو بڑھ گیا اشتیاقِ قربت چلی کچھ ایسی ہوائے الفت بھڑک گئی آتشِ محبت
ہوا جو گرمی پہ شوقِ خلوت برس گیا گھر کے ابرِ رحمت بڑھا یہ لہرا کے بحرِ وحدت کہ دھل گیا نامِ ریگِ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

خدا کے پیارے نبی ہمارے کیا ہے یکتا جنکو حق نے وہ حسنِ یکتا دکھاتے جاتے کہ جس پہ دونوں جہان صدقے
رچے تھے وحدت کے رنگ ایسے کہ تھے بہم روز و شب کے نقشے وہ ظلِ رحمت وہ رخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زربفت اُودی اطلس یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے

جدھر سے نکلا وہ جانِ جاناں قدم قدم پر کھلے گلستاں بڑھی تھی یہ جوششِ بہاراں بنے تھے افلاک تختۂ بستاں
عروج پر تھا ابھی وہ ذیشان کہاں یہ گلشن تھے اسکے شایاں چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گذر چکے تھے

خوشی میں تھے منتظر خدائی کہ شکلِ تقدیر نے دکھائی سرِ گذرگاہ صف جمائی مگر نہ امیدِ دل بر آئی
نہ پاس تک ہو سکی رسائی نہ آنکھ تابِ نظارہ لائی جھلک سی اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولہا کی دُور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

چلے تھے جو ہم رکاب خوشخو رکاب تھامے بطرزِ نیکو بہت چلے کی بہت تگ و پو نہ چل سکا پھر بھی آن کا قابو
مجالِ جنبش نہ تھی سرِ مو رواں تھے آنکھوں سے غم کے آنسو تھکے تھے روح الامین کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی اُمید ٹوٹی، نگاہِ حسرت کے ولولے تھے

کسی نے اب تک ہے نہ جانا کہ انکا جانا تھا کیسا جانا نہ عقلِ کامل نے اسکو سمجھا نہ وہم ظن و گماں میں گذرا
رسائی عقل و وہم ہو کیا کہ فکر کی تاب کون لاتا روش کی گرمی کو جسنے سوچا دماغ سے اک بھبوکا پھوٹا
خرد کے جنگل میں پھول چمکا، دہر دہر پیڑ جل رہے تھے

مجال کس کی جو کوئی سوچے دماغ کس کا جو کوئی سمجھے اُڑے تھے فہم و خرد کے طوطے حواس کے پڑ گئے تھے لالے
ہوئے تھے عاجز جو اونچے اونچے تو ہوں سا اور ہوش کس کے جلو میں جو مرغِ عقل اُڑے تھے عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کے، چڑھا تھا دم تیور آ گئے تھے

سمجھ میں آئے یہ بھید کیونکر کہ ہے قیاسِ خرد سے باہر نہ کھائے کیوں مرغِ عقل چکر کہ ہے یہاں عقلِ کل بھی ششدر
جو تھے اولی الاجنحہ موقر وہ پہلے ہی گر چکے تھے تھک کر قوی تھے مرغانِ وہم کے پر اُڑے تو اُڑنے کو اور دم بھر
اُٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر، کہ خونِ اندیشہ تھوکتے تھے

ملائکہ ایک دوسرے سے نویدِ وصلِ حضور کہتے کہ آج ارمان ہونگے پورے گرینگے قدموں پہ سب سے پہلے
یہاں یہ ہوتی ہے تھے چرچے کہ خود بدولت قریب پہنچے سنا کہ آنے میں عرشِ حق نے کہ لے مبارک ہو تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے، جو پہلے عز و شرف ترے تھے

وہی ہیں یہ جنکی شانِ والا سوا خدا کے کوئی نہ سمجھا انھیں کی نعلین کا ہے صدقا جو تو نے عز و وقار پایا
پھر آج تیرا نصیب چمکا کہ وہ ہوئے تجھپہ جلوہ فرما یہ سنکے بیخود پکار اٹھا نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھر انکے تلووں کا پاؤں بوسہ یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

جو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھالا
ملا جو دیدارِ شاہِ والا
فراق کے درد و غم کو ٹالا
تو خوب ارمانِ دل نکالا
اچھا کچھ ایسا چلن نرالا
جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ
قدم پہ گر گر کے دل سنبھالا
گری تھی سجدہ میں چشمِ بالا
وہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا، یہ گردِ قربان ہو رہے تھے

فروغِ حسنِ خجستہ آئین
وہ شعلین نور کی جلائین
ترقیاں جسنے ایسی پائین
تجلیاں طور کی دکھائین
کہ آنکھیں یک لخت چوندھیائین
ضیائین کچھ عرش پر آئین
نگاہ میں تاب نظر نہ لائین
کہ ساری قندیلیں جھلملائین
حضورِ خورشید کیا چمکتے، چراغ منہ اپنا دیکھتے تھے

ملائکہ نے جو دیکھی فرصت
کوئی سناتا ثنا و مدحت
سمجھ کے اس وقت کو غنیمت
کسی کے لب پہ دعائے دولت
بڑھائی یوں خوب اپنی عزت
یہی گمان تھا کہ یک رحمت
کہ سب دا کئیں رسومِ خدمت
یہ مژدہ لایا کہ چلیے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے

یہی ہے وقتِ حصولِ مقصد
طلب پہ تاکید ہے کہ مد
خدا ہے خود خواستگارِ آمد
کہ جلد آئے بشرِ مؤید
وصال کا شوق ہے جو بے حد
بڑھائے محمل قرین ہو احمد
تو جسکو ہر حکم ہے مؤکد
قریب آئے سرورِ محمد
نثار جاؤن یہ کیا صدا تھی، یہ کیا ندا تھی یہ کیا مزے تھے

کبھی ہے مقصود پردہ داری
نئی ادا ہر جگہ نکالی
کبھی ہے یہ حد کی بے حجابی
ہیں تیری نیرنگیاں نرالی
کسی کو حسرت رہی لقا کی
تبارک اللہ شان تیری
کسی سے اظہارِ خود نمائی
تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی، کہیں تقاضے وصال کے تھے

نظر کہیں کچھ نہ دیکھ پائے
دماغ و ہوش و حواس ٹالے
ذہن بھی مہرِ ادب لگائے
قیاس و اوہام کو بٹھائے
ذرا طبیعت کو دل سنبھالے
خرد سے کہہ دو کہ سر جھکائے
کہ اب یہاں بیخودی مزا لے
گمان سے گذرے گذرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے، کسے بتائے کدھر گئے تھے

زمین کہاں تھی سما کہاں تھا
وہاں کسی کا پتا کہاں تھا
بتائیں کیا راستہ کہاں تھا
سوائے حق ماسوا کہاں تھا
وہ رہبر و رہنما کہاں تھا
سراغِ این و متیٰ کہاں تھا
کہاں سے آیا گیا کہاں تھا
نشانِ کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی ساتھی نہ کوئی راہی، نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

ادھر سے شانِ کرم دکھانا
ادھر سے تعجیل کا بلانا
ادھر سے بندگی جھکانا
ادھر لحاظ و ادب سے جانا
ادھر سے پیغامِ لطف پانا
ادھر سے پیہم تقاضے آنا
ادھر ثنا و صفت سنانا
ادھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا، جمال و رحمت ابھارتے تھے

نہ ایسی حالت جو دل کو روکے
بڑھائی ہمت جو شوقِ دل نے
نہ اتنی جرأت کہ پاؤں اٹھے
تو شاہِ والا کچھ اور آگے
اگر ٹھہرتے تو کیوں ٹھہرتے
بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے
جو آگے بڑھتے تو کیا ہی بڑھتے
حیا سے جھکتے ادب سے رکتے
جو قرب انہیں کی روش پہ رکھتے، تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے

جو حال رفتار کا یہ پایا
کہاں وہ بڑھنا کہاں رُکانا
تو اس طرف سے ہوا اشارہ
روش میں کیونکر نہ فرق آتا
یہ جذبِ الفت سے کام نکلا
پر انکا بڑھنا تو نام کو تھا
اگر انہیں زورِ کشش کھچایا
حقیقتاً فعل تھا ادھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا، دنیٰ تدلیٰ کے سلسلے تھے

بڑھانا کس کا کہاں کا بڑھنا
وہاں کسی شئے کی تھی کمی کیا
سب اسکی قدرت کا تھا تماشا
جو اس نے چاہا ہوا مہیا
بشر کا دنیا سے تھا یہ آنا
ہوا نہ آخر کہ ایک بجرا
تو کچھ سبب ظاہری بھی تو تھا
تموجِ بحرِ ہو میں ابھرا
دنیٰ کی گودی میں انکو لے کر فنا کے لنگر اٹھا دیے تھے

یہاں خرد نے بھی قول ہارا
کہاں یہ ہوش و خرد کا یارا
حواس بھی کر گئے کنارا
رسائی تک اپنی چھان مارا
دماغ و دل نے بہت ابھارا
لگے بلے گھاٹ کا کنارا
نہ دے سکے یہ ذرا سہارا
کدھر سے گذرا کہاں اتارا
بھرا جو مثلِ نظر طرارا، وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے

یہاں نہ کچھ فائدہ نظر دے	نہ کام اندیشۂ بشر دے	خدا جو ایمان کا اثر دے	تو جان و دل کو نثار کر دے
الگ ہی وہم و قیاس دھر دے	نہ جائے وحدت دوئی سے بجز دے	اٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے	کوئی خبر دے تو کیا خبر دے

وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی، نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

وہ رنگ یکتائی نے جمایا	کہ ماسوا کا نشان اڑایا	یگانگی نے اثر دکھایا	تفاوتِ جزو و کل مٹایا
بہارِ وحدت نے گل کھلایا	کہ فرع کو اصل میں ملایا	وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا	کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا

گرہ میں کلیوں کے باغ پھولے، گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے

جو قربِ او دنیٰ کی تھی تمثل	سمجھ لیں اس میں یہ نکتہ قابل	کہ قوسین جب ملے مقابل	تو بن گیا اک محیطِ کامل
ہوے جو باطل نقاطِ فاصل	تو بیچ میں کچھ رہا نہ حائل	محیط و مرکز میں فرق مشکل	رہے نہ فاصل خطوطِ واصل

کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

ادھر سے ہر دم خطاب ہوتے	ترقی یہ بار بار کرتے	ترقیوں میں حجاب کھلتے	مزے تھے ہر پردہ میں نرالے
وہ دفعتاً جلوہ کیا دکھاتے	کہ شوق میں تھے حیا کے نقشے	حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے	ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے

عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

چڑھی ہوئی تھیں عطا کی لہریں	بڑھی ہوئی تھیں کرم کی نہریں	اشارہ یہ تھا نہائیں حوریں	یہیں ملا ہیں جتنا چاہیں
وہاں سے سترہا پا عطائیں	یہاں ابھی خواہشیں تھیں دل میں	زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں	تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں

بھنور کو یہ ضعفِ تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے

وہی ہے سب کا نصیر و ناصر	وہی ہے سب پر قدیر و قادر	اسی سے ہے مبدء ہر نوادر	اسی پہ ہیں منتہی اوامر
وہی ہے ظاہر جہان مظاہر	وہی ہے منظورِ سب مناظر	وہی ہے اول وہی ہے آخر	وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر

اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اسکی طرف گئے تھے

حواس اپنے درست کر لو	پڑے ہو چکر میں اس سے نکلو	بنو نہ احول سنبھل کے دیکھو	یہ ہے حقیقت میں ایک ہی دو
مقامِ قوسین کو تو سوچو	بغور اس دائرے کو سمجھو	کمانِ امکان کے جھوٹے نقطو	تم اول آخر کے پھیر میں ہو

محیط کی چال سے تو پوچھو، کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

ادھر سے ہر بار التجائیں	یہ کہہ کہ امت کو بخشوا لیں	ادھر سے لطف و کرم کی باتیں	کہ جتنے چاہو ہم اتنے بخشیں
ادھر سے طاعت کی پیش نذریں	ادھر سے بخشش کرم عطائیں	ادھر سے تھیں نذرِ شہ نمازیں	ادھر سے انعامِ خسروی میں

سلام و رحمت کے ہار گندھ کر، گلوئے پُرنور میں پڑے تھے

یہاں ہے مجبور عقلِ پرفن	نہ راہِ رفتن نہ روئے ماندن	کہاں ہو اب خیالِ روشن	اٹھا سکے اس مکان کی چلمن
سنانے سننے کا جی تھا ان	ابھی وہ تھے منتظر ہمہ تن	زبان کو انتظارِ گفتن	تو گوش کو حسرتِ شنیدن

یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا، جو بات سننی تھی سن چکے تھے

وہاں سے پایا جو کچھ اشارا	ادھر سے رخصت ہوا وہ پیارا	خوشی سے کرتا چلا نظارا	خدائی کا کارخانہ سارا
یہ عرض حوروں نے کی خدارا	دمک دمک کیجیے گھر ہمارا	وہ برجِ بطحا کا ماہ پارا	بہشت کی سیر کو سدھارا

چمک پہ تھا خلد کا ستارا، کہ اس قمر کے قدم گئے تھے

جناں کی تقدیر خوب چمکی	بڑھی تھی وہ جوششِ تجلی	کہ شہرستان بنی تھی ساری	چمکتی تھی ایک ایک کیاری
وہ نور کی چاندنی تھی چھٹکی	جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی	سرورِ مقدم کی روشنی تھی	کہ تابشوں سے مہِ عرب کی

جناں کے گلشن تھے جھاڑ فرشی، جو پھول تھے وہ کنول بنے تھے

بہار کا حکم تھا دمکیے	مرادِ شبنم ذرا چھلکیے	نسیم کہتی تھی بس مہکیے	صبا کا ارشاد تھا لپکیے
یہ شورِ حسرت کہ اب نہ رکیے	وہ زورِ حیرت کہ تھم ہی تکیے	طرب کی نازش کہ ہاں لچکیے	ادب وہ بندش کہ ہل نہ سکیے

یہ جوششِ ضدین تھا کہ پودے، کشاکشِ ارہ کے تلے تھے

مدارجِ قرب سے بھی بڑھ گئے
خدا ہی جانے کہاں وہ پہنچے
ازل سے اُٹھے نہ تھے جو پردے
وہ جلوۂ حق کے رُخ سے ہٹکے
[illegible] بھی جبتک نہ کوئی مارے
کہ یہ گئے بھی پلٹ بھی آئے
خدا کی قدرت کہ چاند حق کے
کروڑوں منزل میں کرکے جلوے

ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی، کہ نور کے تڑکے آلیے تھے

اُترنے کی جو ثنا و مدحت
حضور دیکھیں بچشمِ رحمت
صلہ ملے دو جہان کی دولت
رہے نہ پھر اُس کو کوئی حاجت
ملا اُسے جس سے فیضِ خدمت
اُدھر بھی کوئی نگاہِ رافت
نبیِّ رحمت شفیعِ اُمّت
رضاؔ پہ للّٰلہ ہو عنایت

اُسے بھی اُن خلعتوں سے حصّہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

یہاں نہ طاعت نہ زہد و تقوے
یہی وسیلہ ہے مغفرت کا
کہ ہے ثنا گوئی شیوہ اپنا
اِسی سبب سے لکھا ہے خمسہ
مراد ہے نعتِ شاہِ والا
غرض نہیں شاعری سے اصلا
تمنّاے سرکار ہے وظیفہ
قبولِ سرکار ہے تمنّا

نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، رَوی تھی کیا کیسے قافیے تھے!

مولانا عبدالماجد بدایونی
پبلک لائبریری گھنٹہ گھر بدایوں
MAULANA
ABDUL MAJID BUDAUNI
PUBLIC LIBRARY, BUDAUN